مثنوی رموز بیخودی

نظم
ڈاکٹر عشرت انور

مثنوی سرودِ بیخودی

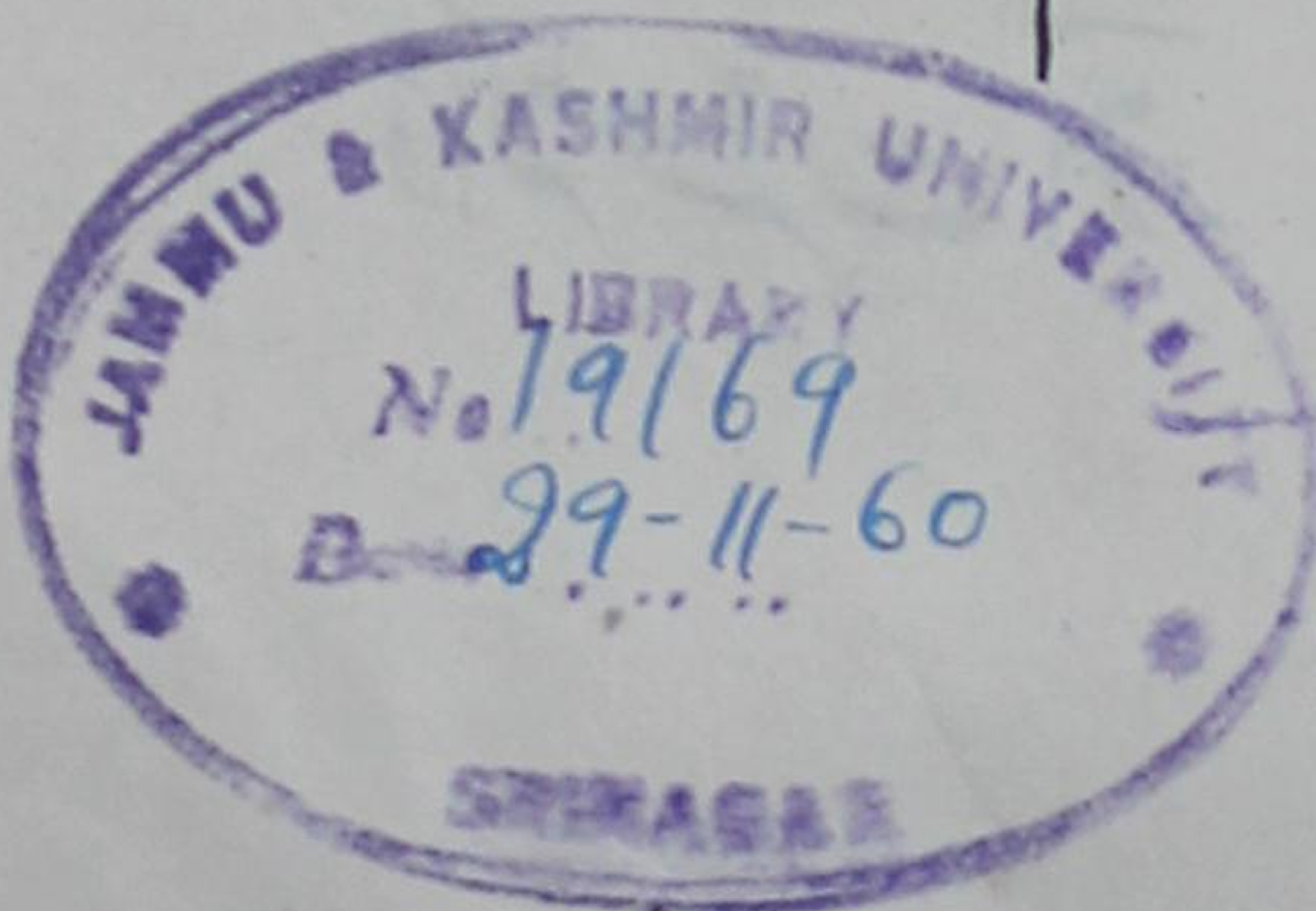
از

ڈاکٹر عشرت انور

قیمت دو۲ روپے

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر عشرت حسن انور ۴۴ حالی روڈ
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ



سنہ اشاعت ۱۹۵۴ء

آگرہ اخبار پریس آگرہ طبع شد

تعداد طباعت ۵۰۰

ہر کسے از یک خودی در صد محن
خوش بروں آے ز تاریخ کہن

(اقبالؒ)

2.

فہرست مضامین

پیش کش

بحضور

سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ سنجری اجمیری

خراب نرگس مستانۂ توام کہ نہد
ہزار شیوۂ مستی لطبع ہوشیاری (عرفی)

گدائے در

احقر
عشرت انور

دیباچہ

یہ مثنوی اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کے جواب میں لکھی گئی ہے، مقصود اس کا کسی طرح بھی "بیانِ حسن طبیعت" نہیں بلکہ "گذارش احوال واقعی" کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہے،

اس سے اگر آئندہ کیلئے آئندہ آنیوالوں اور کام کرنیوالوں کی کوششوں سے ایک نئے طرزِ فکر کی بنیاد پڑ سکے تو میں اس محنت کو "محنت بے فائدہ" نہ سمجھونگا اور لذت دشنام میں بھی لذت احسان مندی محسوس کروں گا۔

زندگی ابتدائی منازل میں فی الحقیقت خودی، خود بینی، خود شناسی، خود آگاہی اور خود پرستی وغیرہ پر منحصر ہے، اور ایسا ہونا ہی آئندہ مراتب اور ارتقاء کا موجب ہوتا ہے لیکن اگر اس کی کل وسعتوں کا اندازہ کیا جائے اور اسکی تمام ارتقائی منازل کا صحیح طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو کہ ارتقائی منازل میں قدم قدم پہ خودی فنا ہو کر بیخودی کے لئے راستہ پیدا کرتی ہے، شاید یہ اسی حقیقت کا ادراک تھا جس نے اقبالؒ کو "اسرار خودی" کے بعد "رموز بیخودی" لکھنے پر مجبور کیا۔

نیطشے نے عیسائیت کے خلاف فلسفۂ خودی کی اس لئے تلقین کی تھی کہ یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کا نیا خون دوڑ سکے اور یہ حقیقت ہے کہ خودی کا فلسفہ زندگی کی گرمی پیدا کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے بھی۔ لیکن پھر بھی زندگی کے لئے خودی ہی ممین مقصود نہیں اور نہ ہونا چاہئے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کھانا پینا زندگی کیلئے ازبس لازم ہے اور اسکے بغیر قیام زندگی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر باایں ہمہ اکل و شرب ہی زندگی کی غرض و غایت نہیں ہے اور نہ ہونا مناسب ہے۔

نیطشے کے فلسفہ میں بنی نوع انسان کے لئے جو جانکاہ اثرات مضر تھے ان کا

اظہار نیطشے کی موت (۱۹۰۰ء) کے چودہ پندرہ سال کے عرصہ ہی میں اس طرح ہوا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عالمگیر نے انسانیت کے ساتھ ساتھ انسان کو بھی ختم کردینے کا حوصلہ بلند کیا۔

اس "مجذوب فرنگی" کے فلسفہ کے سمیات کا اثر ۱۹۱۹ء تک ہی ختم نہ ہوسکا بلکہ ۱۹۳۹ء میں پھر بنی نوع انسان کے لئے ایک دوسرا خطرہ درپیش ہوا جس کے اثرات سے آجتک کلی طور پر نجات میسر نہیں ہوسکی ہے اور بار دیگر خطرہ ہے کہ آئندہ چلکر "ایٹم بم" یا "ہائیڈروجن بم" کے ذریعہ بنی نوع انسان کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

اقبال رح نیطشے کے فلسفہ کے خطرناک نتائج کو پورے طور پر سمجھتے تھے اور شاید اسی لئے کہ خودی کے فلسفہ سے اسکے خطرناک اثرات زائل کرسکیں ان کی آخری وقت تک یہ کوشش رہی کہ "خودی کو مسلمان" بنا سکیں اور اسمیں وہ ظاہری طور پر کسی قدر کامیاب بھی معلوم ہوتے ہیں چونکہ انہوں نے خودی کو "احکام الٰہیہ" کا پابند بتایا، یہاں اقبال رح غیر شعوری طور پر بجائے خودی کے "بیخودی" کی تلقین کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں چونکہ خودی کو تابع بنانا حقیقت میں بیخودی کی طرف مائل ہونا اور خودی کی نفی کرنا ہے۔

لیکن اقبال رح بعض مصالح کے تحت اس کا اقرار کرنے سے گریز کرتے ہیں اگرچہ ان کے رجحانات ان کی اگلی مثنوی "رموز بیخودی" میں بالکل واضح ہو جاتے ہیں، اس مثنوی میں وہ افراد کے لئے یہ بھی متعین کرتے ہیں کہ وہ اپنی خودی کو ملت کی خودی میں گم کردیں۔

لیکن یہاں تک پہونچنے کے بعد بھی مقصد برآری نہیں ہوتی اور بنی نوع انسان کو خودی کے فلسفہ سے جو تمام خطرات پہلے لاحق تھے وہ اب بھی من وعن باقی رہتے ہیں چونکہ ایک ملت بحیثیت ملت فکری اعتبار سے دیگر ملل سے درپئے تنازعہ اور تضاد ہے۔

چنانچہ ایک اور قدم آگے بڑھنے کی ضرورت تھی اور اقبال رح نے شاید مصلحت وقت کے تحت آگے بڑھنے سے گریز کیا۔

بنی نوع انسان کے ارتقا کے لئے ازبس لازم ہے کہ انسان بے تمیز "ما و تو" زندگی

گذار سکے اور ایک ایسا نظام عالم وجود میں آئے جہاں انسان صرف انسان بنکر رہ سکے سیاست، تاریخ، ونیز تمام مذاہب کا حوصلہ بھی کچھ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ اس منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے کتنے ادوار اور منازل سے گذرنا پڑے گا۔

ہاں اُس ... نئے نظام کے فروغ، ارتقاء اور استحکام کے لئے نئے تجربات اور اخلاقی نظریات کی ضرورت پڑے گی اور یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ کونسے اصول ایسے ہیں جو انسان کو اس بلند مقام پر لے جانے اور برقرار رکھنے کے ضامن ہو سکتے ہیں، یہاں پر اسلام (بقول محققین) بوجہ اپنی جامعیت ایک ایسا نظام زندگی نظر آتا ہے کہ جسکی طرف انسان آج نہیں تو کل ضرور متوجہ ہوگا۔

اس طرح ہمارے نزدیک اسلام ایک ایسا نظام فکر و عمل ہے جسکی ضرورت انسان کو ہمیشہ سے ہے اور شاید ہمیشہ رہے گی، یہ کوئی ساکت، صامت اور ارتقاء کے منافی نظام زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی کے لئے بیک وقت مثل نشان منزل اور رہین منزل کے ہے۔

خودی کو بنیادی اصول قرار دینے کے بعد کسی وسعت خیال اور وسعت نگاہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور ہزارہا قسم کے تنازعات کے راستے بنی نوع انسان کے لئے کھل جاتے ہیں، اس طرح انسان خود پسندی کے مختلف نظریات میں ہمیشہ کے لئے گرفتار رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے (اگرچہ ایسا ہونا بعض مادی لحاظ سے فائدہ مند اور نفع رساں ضرور ہے) اور کبھی بھی غیر خودی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور وہ بین الاقوامی نظام حکومت جس کے واسطے انسان صدیوں سے گوش برآواز بیٹھا ہے (اور زمانۂ حال میں اسکی ضرورت اور بھی محسوس ہو رہی ہے) وجود میں نہیں آسکتا، لیکن اگر تمام خلوص اور نیک نیتی کیساتھ تمام نظام فکر و عمل میں انقلاب پیدا کیا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ سال یا صدیوں بعد انسان بجائے ملک و ملت کے صرف ملت انسانی کا ایک رکن بنکر رہ سکے اور بجائے خودی کے

شراب بیخودی سے مست و مسرور نظر آئے۔

اسکے متعلق آج پیشین گوئی کرنا شاید قبل از وقت ہوگا، ہاں مستقبل ہی میں معلوم ہو سکے گا کہ نوع انسان آگے چلکر کس شاہراہ پر گامزن ہوتی ہے اور کس قسم کے انسان کو بنظر تحسین دیکھتی اور اپنی رہنمائی کے لئے تلاش کرتی ہے۔ آیا اسکو جو پروردۂ خودی ہے یا اُسکو جو مست بیخودی ہے اور بنی نوع انسان کی محبت میں ملکی، ملی امتیازات سے اپنے کو پاک صاف کر چکا ہے، یہ موخر الذکر راستہ ازبس خطرناک ضرور ہے مگر انسان کو ارتقاء کی آخری منازل طے کرنے میں ممکن ہے اس پُرخطر رہگذر سے بھی گذرنا ازبس لازم ہو۔

بعض صوفیائے کرام کی زندگی میں بالخصوص خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ کی سوانخ مبارکہ میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے رجحانات کو بخوبی سمجھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آخر مین مقصود کیا ہے اور یہ کہ یہ ظاہری تمیز ما و تو زندگی کو ایک مخصوص منزل تک لے جانے کے لئے تو ضرور معاون ہے مگر اس کے آگے اگلی اور ارفع منازل کو طے کرنے میں مانع ہے۔

صدیوں کے تجربات اور جستجو کے بعد قوی امید ہے کہ انسان کسی نہ کسی ایک مرکز پر ضرور آئے گا، اور بعد میں جب جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ؎

یک چراغ است دریں خانہ و از پرتو آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

خود سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اس بات کی ضامن ہے کہ اسلام ایک مافوق العادت آفاقی محبت اور اخوت کے مترادف ہے یہ محبت اور رأفت کسی مخصوص فرقہ یا فرد کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ اغیار (اور رحمت اللعالمین کیلئے بوجہ سراپا محبت ہونے کے کوئی غیر نہ تھا) کے لئے بھی اسی قدر قلب کی گہرائیوں سے ابلتی تھی جسقدر کہ اپنوں کے لئے نظر آتی ہے۔

ہمارے حقیر خیال میں روح اسلام سرکار دو عالم کے قلب کی ایک مخصوص حالت ہے جسکو ہم لفظ و بیان کی مجبوریوں کی بنا پر آج صرف محبت، رأفت، شفقت کے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن ان الفاظ کا دائرہ مروجہ الفاظ سے بغایت وسیع ہونا ضروری ہے،

اب جو شخص رسول مقبول کی اس مخصوص قلبی حالت سے جس قدر قریب ہے۔ اسی قدر مسلمان ہے، اس طرح اسلام میں ارتقاء اور فروغ کی ہمیشہ گنجائش ہے اور ہر ایک فرد بقدر ذوق طلب محبت میں تشنۂ محبت ہونے کی بنا پر منزل پر نہیں بلکہ راہ منزل میں ہے، اور یہ ایسی منزل ہے کہ جس قدر اس کے قریب تر جاؤ اسی قدر حوصلۂ منزل اور بڑھتا ہے اور دوریٔ منزل اور بھی نمایاں معلوم ہوتی ہے۔

احقر

عشرت انور



گذارشِ سپاس

بخدمت

حضرت استادِ محترم دکتور ہادی حسن مدظلہ (صدر شعبۂ فارسی دار العلوم علیگڈھ)

کعبۂ جاں، او استادِ محترم!

از دل و جاں ہدیۂ پیش آورم
عقل و علم و فضل را معدن شدم
من ز فیضِ لطفِ تو گلشن شدم
اے کہ خاکم شد ز فیض تو منیر
در برِ خود سوزشِ جانم پذیر
صبح نوزیں مثنوی گرمی دمد
نامِ تو من زندہ کردم تا ابد
اے زِ تو چوں آب و تلے یافتم
ہمدمہ گشتم ترا ہم تافتم

زانکه علم و فضل را بر دل زدم[۱]
شعلهٔ روشن بر محفل زدم

خاک انساں را شرار آوردہ ام
جان و دل را نو بہار آوردہ ام

این جہانِ کہنہ را فضلے رسید
زندگی را انقلابے شد پدید

نے خودی و خود پرستی نے وطن
نے تمیز ما و تو نے ذوقِ من

امتیازِ ملک و ملت سوختم
از محبت عملے افروختم

از محبت چشم آدم تر شدہ
عالمے را عالم دیگر شدہ

کشتیٔ انساں بساحل آرمید
ذوق جانش در بر منزل رسید

[۱] اشارہ بہ شعر رومی۔ علم را بر تن زنی مارے بود۔ علم را بر دل زنی یارے بود

آدمیت را شده تفسیر نو
عالمے را می کنم تعمیر نو
ملت و ملک و وطن سنجیدہ ام
پردہ ہائے زندگی برچیدہ ام
جان و دل را وسعت عالم خوش است
آدمی را ملتِ آدم خوش است

تمہید

ہیچ کس را لذتِ دیدار نیست
ورنہ جاں را ایں چنیں اسرار نیست

جانِ ما چوں از پئے جاناں بود
اے چگونہ بر خودی ایماں بود

آنقدر از نورِ جان ایماں حریر
آنکہ جاناں دید جانِ خود ندید

چشمِ جاں را ہست چوں دیدارِ اُو
گشتہ در انکارِ ما اقرارِ اُو

من کہ باشم؟ در خورِ اقرارِ من
می رسد ایں ہم ز فیضِ ذوالمنن

بخوانندۂ کتاب

شاعرِ مشرق[۱] نگہبانِ خودی
شیرِ شرزہ از نیستانِ خودی
جرعۂ چوں از خمِ جاناں چشید
مست شد جز مستیٔ خود کس ندید
داد ما را ذوقِ ایقانِ خودی
گشت ما را عہد و پیمانِ خودی
از صبوحیٔ خودی پیمانہ داد
مست ساغر ذاد میخانہ بباد
در جوابش گفتہ ام ایں مثنوی
مثنوی بیخودیٔ معنوی
فیضِ جاناں پرتوے او را سپرد
او ز خود بینی ز روئے خود شمرد

۱؎ ڈاکٹر سر محمد اقبال

پرتوے گر روئے کس روشن کند
او ز روئے خوب لافے گے زند
گرچہ جاں از نورِ او جز طور نیست
ہر کسے را دید آں مقدور نیست
عاقلاں را ہست ذوقِ ضبطِ خویش
عاشقاں را سرفروشی گشتہ کیش
عاقلاں اندر پئے فرمانِ دوست
عاشقاں ہر دم ز دل قربانِ دوست
عاقلاں ہم بہرِ خود ہم بہرِ اُو
عاشقاں را بس فقط "اللہ ہو"
عاقلاں بہرِ شریعت آمدند
عاشقاں نزدِ محبت باختند
عاقلاں را خود پرستی و خودیست
عاشقاں را عشق گشتہ زندگیست

عاقلاں را فکر ہستی در بغل
عاشقاں مست سبوئے لم یزل
عاقلاں در کار دنیا فکر دیں
عاشقاں را ہر دو اندر آستیں
عاقلاں در سایۂ ایماں روند
عاشقاں اندر پئے جاناں روند
عاقلاں را مصلحت بینی رواست
عاشقاں را دین و ایماں بس خداست
شاعر مشرق کہ عاقل بود او
با تمکّن زد نوائے ہائے ہو
آنقدر ذوق خودی را پرورید
محو شد از گل و گلشن را نہ دید
او برائے ملتے زارید و بس
نوع انساں جان ما را شد ہوس

نوعِ انساں را بہ دل اخگر نہ زد

از خودی بیرون ملت پر نہ زد

زانکہ تابِ جلوۂ آدم نبود،

پس خودی و خویش را نغمہ سرود

پیشِ جاناں ذوقِ خود بینی خرید

جلوۂ خود دید و دیگر کس نہ دید

او ز فیضِ تمکنت سرشارِ خود

آبروئے جان و دل از ما ببرد

آبروئے جان و دل از بیخودی است

بیخودی شوق ما را زندگی است

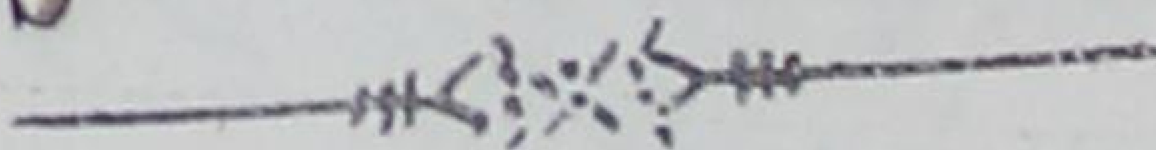
اے کہ با ما گفتہ "انا الحق" زندگی است

آں انا الحق ہم ز فیضِ بیخودی است

بیخودی چوں پردۂ ظلمت ربود

از "انا الحق" عینِ حق را وا نمود

اے بہ جاناں وقف شد چوں جان و تن
می نشد از ما بخود نگریستن
جان ما را نیست مضراب خودی
ما نمی دانیم آداب خودی
شمع جاں از بیخودی افروختیم
ہر دو عالم بہر جاناں سوختیم



حرفے از ذوق و شوق خویش

از نوایم سوز دلہا دیدہ شد
زندگی از بیخودی ازدیدہ شد
عشق را من دادہ ام تابے دگر
بیخودی را باز شد آبے دگر
زانکہ آموزیدم آداب جنوں
بیخودی شد زندگی را رہنموں
اے کہ از ذوق جنوں زصم خیال
می نشد ہر گنہ مرا از "من" گماں
خواجۂ سنجر جیاں ذوقم فزود
عشق را صد پردہ ہا از من ربود
از فیوض بیخودی دیوانہ ساخت
پیش روئے خود مرا پروانہ ساخت

اے زلطف خود چناں لطفے فزود
عقل و ایماں جان و دل از من ربود
من ز لطف او ز خود بگذشتہ ام
خستۂ و وارفتۂ و سرگشتہ ام
سوزش جاں دارم و غمگیں دلم
ہمچو موج مضطرب بے ساحلم
من کہ چندیں پیر کامل دیدہ ام
ہمچو او بے مثل کس نشنیدہ ام
"خواجۂ ما در میان اولیا
چوں محمدؐ در میان انبیا"
آنچناں ذوقے بما ارزاں فروخت
بیخودی شوق جان و دل بسوخت
از خودی یک دم نشد جاں را شعور
بیخودو مستم پئے ذوق حضور

ہم بذاق دید می جوید نظر
خویش را گم کن پئے ذوق بصر
آنچناں سحر جمال خویش راند
در دلم ذوق مسلمانی نہ ماند
آں جمال روکش حسن پری
باز دادہ شوق کفر و کافری
رونمائے آفتابے روئے او
ماہتابے در کمند موئے او
ہمچو گل در سنبل گیسوئے او
اے خوشا آں رنگ و بوئے روئے او
رونمائے حسن روئے ذوالمنن
آں جمال خواجۂ رعنائے من
آب حیواں در ظلام چشم او
عشق می نازد بہ جام چشم او

شد خزانِ ما ز لطفش نوبہار
"قُم باذنی" از جمالش آشکار
از سرود نعرۂ "اللہ ہو"
مست حق باشیم ما از فیضِ او
مشتِ خاکم تا بگیرد ذوق ہو
خویش را از خود سپردم بہرِ او
عشق گرچہ بہرِ او جانم ربود
ہدیۂ شایانِ شانش ہم نبود
عشق را بر ہر ادائے مہرِ او
جانِ دیگر بہرِ قرباں آرزو
گر مکے را از فریب آتشے
در طواف روئے زیبا داشتے
مغبچاں را دیدئے روئے کہ بود
از سجود نار و آتش در ربود

صوفیاں دارند از وے ساغرے
فیض حسنش ساخت مومن کافرے
عشق را از کفر می ناید اماں
بیخود و مستم ز فیض بیکراں
گر نہ رقصم بر حجاب بے نقاب
آبروئے حسن خواہد شد خراب
فیضِ چشم خواجۂ یکتائے من
می رسد از حضرتِ خادم حسن[1]

[1] رہنمائے مصنف در طریقت کہ ترک وطن کردہ در ارضِ پاک اجمیر شریف مقیم اند

شکایت درد و محبت آمیز خویش

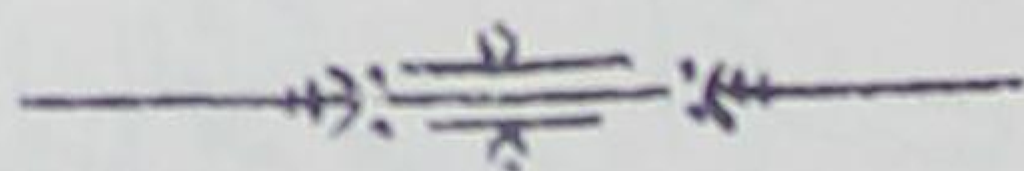
بحضور

باری تعالیٰ

ناز بردار جہان انس و جاں
من ز درد خویش گویم داستاں
گر بشنوی و امراعت می کنی
بانگ خواہم زد بہ چرخ چنبری
غمزہ و ناز و ادا از ہم بگیر
گر نصیبم گوہرے را در بگیر
حسرت و درد و محبت اضطراب
لرزاں لرزاں با تو خوانم ایں کتاب
گر نہ گردد شوق محکوم ادب
از تو می خواہم صلائے بوالعجب

اے کہ منؐ ظالم "جہولاً" بودہ ام
مرکزِ تخلیقِ دنیا بودہ ام
من کہ ویراں، دل تپیدہ خستہ ام
نیک مسجود ملائیک گشتہ ام
اے کہ دادی بلبلاں را نغمۂ
نغمۂ کز شرم خیزد زخمۂ
ذوقِ رقص و بیخودی پروانہ را
نیک عاقل کردۂ دیوانہ را
شمع را سوز ہوائے محفلے
در نصیبش نوش و نائے محفلے
موج را باشد چہ بے پروا خرام
زندگی بے محشرے گردد حرام
ساحلے پیہم بہ وصلِ موج و آب
ذرہ ذرہ رُونمائے آفتاب

حاصلاً تخلیقِ گیتی ذوفن است
فطرتِ ہر شئے بہ طرزِ احسن است
نغمہ ام لیکن پریشاں آمدہ
اشکِ رنگینم بہ مژگاں آمدہ



اشک خوں بہ یادِ دردِ انساں

اے بسا دلہا کہ در پہلو تپید
اے بسا حسرت کہ با خاک آرمید
اے بسا نغمہ کہ پہلو را نخست
در شکست ساز خود را در شکست
وائے عشقے را کہ اظہارے نہ گشت
اے بسا نغمہ کہ از تارے نہ جست
اے دُرِ شہوار کو نیساں نہ بست
اے بسا ہستی کہ ہم نابود رفت
از تو امید عنایت می کنم
گر بہ بخشی من شکایت می کنم
گر نگویم تو ہمہ داری شعور
در بگویم تو رحیم و تو غفور

اے بسا حسرت کہ داغِ دل سپرد
اے بسا غنچہ کہ در گلہا فسرد
اے بسا دل در پئے لطفے بسوخت
چند شیراز و بخارا را فروخت[1]
اے بسا از حسرت لعل لباں
جان مضطر بر لبان بے زباں
اے بسا مطرب کہ آتش ریختہ
نغمہا در نالہا آمیختہ
اے بسا مرگ شب ہجراں رسید
اے بسا الماس پہلوئے درید
اے بسا از علم و فن رشحے فسرد
وائے گلبانگے کہ زاں تسکیں نشد

---

[1] اشارہ بہ شعر حافظؒ۔ اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

اے بسا دل در پئے شہرت تپید
اے بسا ظلمت کہ روئے صبح ندید
اے بسا رومی کہ او شعرے نگفت
اے بسا انور کہ در خاکے نہفت
اے بسا رہرو کہ پائے خود بخست
پا شکستہ و پیش منزل در نشست
اے بسا فردوس ہائے لازوال
در حدودِ حلقۂ دام خیال
حاصلاً ہر کس پریشاں خستہ جاں
دردِ انساں می نیاید در بیاں
در چمن گر بلبلے خندہ گرفت
در عقوبت گریہ کرد و جاں بخست
زانکہ دل را آرزوئے دادہ اند
داغِ سوز جستجوئے دادہ اند

حسرتِ ناممکنانے بر گزید
کوششِ انساں قناعت بر نچید
گہ بہ ضربِ زخمۂ عشرت گناں
گہ ز سوزِ نغمۂ ماتم زناں
گاہ می خواہد کہ غنچہ گل بود
باز می نالد کہ گل غنچہ شود
گاہ می جوید نگاہِ مہرِ دوست
باز می گرید کہ مہرش غم بسوخت
گاہ از ہجرے بہارے در خیال
گاہ در وصلے ہجومِ ابتہال
گہ بگرید بر ادائے دلبرے
گاں جمالے داد سوزِ شاعرے
گاہ از شمشیر و خنجر لطف دید
کاں جمالِ یار جانم بر چنید

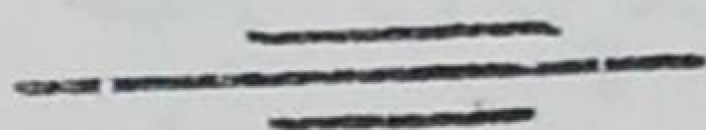
گاه در لاہوت مستِ بے نیاز
گاہ سر بر پائے شوخے ترکتاز
گاہ در غمہا ز خود بیزار شد
گاہ با اقوام عالم یار شد
آہ گر امروز باشد شاد کام
می کشد فردا ہلاہل را بجام
نیست ہستی را قیامے در جہاں
خندہ ہائے گل بہ کار بلبلاں

مناجات شیون زا

در سواد دیده گردانم مکین
پادشاہا شوق دیدارم ببین
من ز درد ہجر گریم کو بہ کو
تو ہنوز اندر حجاب رنگ و بو
بندۂ در جستجو صحرا البر
تو ز اوج خود نمی آری نظر
کرمکے از مرگ خود آتش فزود
زندگی بے روئے جاناں خوش نبود
در تمنائے نگہ بر روئے تو
از درونم می رسد خوشبوئے تو
از تو می بینم شہود کائنات
تا کجا ایں پردۂ لات و منات

تا کجا ایں اعتبار کفر و دیں
آدمی محروم از عین الیقیں
تا کجا انساں گرفتار خودی ؛
می نروید دل بجز خار خودی
تا کجا ایں لعنت ملک و وطن
کس نمی بینم با جز خویشتن
تا کجا بر خویش می بندم نظر
فطرت دل را بده ذوق دگر
از جمال خود بهر آنم بسوز
اعتبار ہستیٔ جانم بسوز
از خودی و خویش ویراں تا کجا
فطرت کهنه به انساں تا کجا
چوں "ذوی القربیٰ" شده فرمان تو
نوع انساں را نه شد انسان تو

بیخودی را بہرِ جاں کن سازگار
انقلابِ تازۂ ما را ابار
اعتبارِ دین و ملت بر فگن
برقع بکشا، چہرہ بنما، برق زن



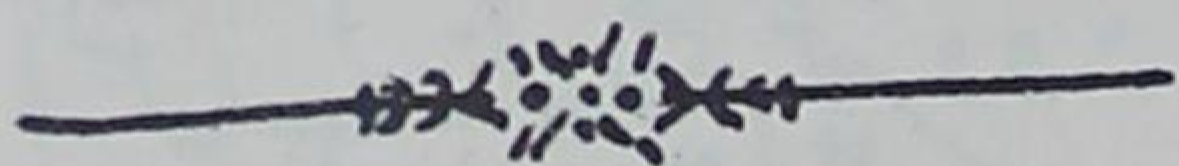
در بیان آں کہ سرِّ عشق چیست ولذت عشق در بیخودی میسر گردد

من کہ سرِّ عشق را پنداشتم
بر مراد خویش عالم ساختم
در کف او چوں سپردم خویش را
نوش آور یافتم ہم نیش را
چوں غلام "ربی الاعلیٰ" شدم
کائنات دہر را مولا شدم
در حضورش ایں سرِ خود بے سجود
می فروشم بادعا و صد درود
تا جمال یار را پروانہ ام
در حضورش من ز من بیگانہ ام

سرفروشی چوں شود ارمان من
خستگی، وارفتگی ایمان من
خون دل خواہم بہ پایش ریختن
بے حضور دوست نتواں زیستن
مزرع دل را ہمی بارد تگرگ
زندگیٔ عاقلاں بدتر ز مرگ
زندگیٔ عاقلاں زار و زبوں
زندگیٔ عاشقاں جذب و جنوں
عاشقی سرو گلستان حیات
عاشقی باشد حیات اندر ممات
زندگی در مرگ خود پاینده کن
جاں سپردہ عاشقی را زندہ کن
جاں سپردن نیست کار عاقلاں
جان دادن باشد عزم عاشقاں

عشق باشد چون حیات لایموت
زیستن تاکی مثال عنکبوت
طوف شمع کن اگر پروانهٔ
حفظ جان گر میکنی دیوانهٔ
کس نداند این بجز عاشق نکات
مرگ عاشق باز هم باشد حیات
عاشقی در اعتبارات وجود
می نه بیند کس بجز ذات وجود
چون دلم از بند غیر الله ربود
کُلُّ شَیءٍ هَالِکٌ اِلّا وجود
بیخودی چون جان عاشق در ربود
عاشقی را نی دعا و نی سجود
زهر ناب بیخودی پیمودن است
عاشقی در مرگ خود آسودن است

نے سمع باشد بہ عاشق نے بصر
جز بذاتِ حق نیاید کس نظر
نے پیام و نے کلام و نے زباں
نے خودی و بیخودی وار نشاں
کن فکاں در آتشے وا سوختیم
روئے جاناں بیش جاں را فروختیم



در بیان آن که عشق تلقین به فنا میکند ولیکن این فنا همرشک بقا باشد

زندگی با مرگ پیهم تو گر است
فطرت ما از جهانِ دیگر است
آتش بی رنگ بینیم غیرِ دود
تا کجا این اعتبار هست و بود
صبغهٔ بی رنگ چون شد رو جو
ما نمی دانیم از زرد و کبود
چون به عین هست هستی نیست گشت
هیچ غم در صد غم دنیا نه است
ای که تا یابی مذاق زندگی
زیستن باید برنگ نیستی

چوں شود غرقاب در دِ نیستی
ہستی خیزد ز گردِ نیستی
جان و دل باید ربودن زانکہ نیست
ایں فنائے عاشقاں دانی کہ چیست

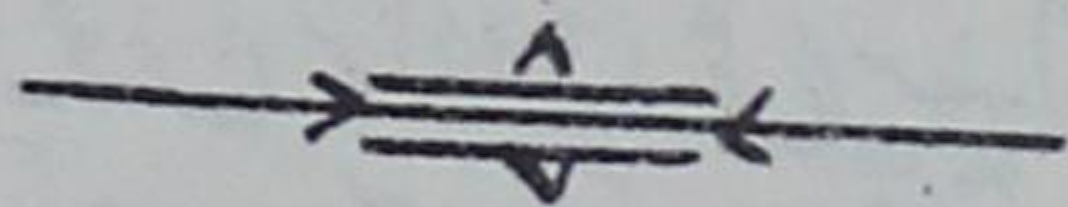


در بیان آں کہ ذوق و شوق عشق را لازم است کہ طالب را بیخود و سرمست و فنا سازد

چوں بہ سیلِ عشق گردی غرقِ آب
تا کجا مانی بخود ہمچو حباب
اے وجودِ موج ہم باشد ز آب
در خودی بالیدۂ تا کے چوں حباب
پرتوے از عشق گر افتد بہ جاں
نیست جز یک جلوہ اندر صد جہاں
مستِ جلوہ شو جمالش اظہر است
ایں خودیٔ تو حجابِ اکبر است
شو خطر کن در غمش برباد شو
گر خدا داری ز خود آزاد شو

بے ہوائے صبحدم گل کے دمید
ایں خودیٔ تو بگو از کے رسید
آں کہ تو گوئی خودی و بیخودی
می رسد با تو ز فیض ایزدی
پس خدا را بیں کہ ہم خود را ببیں
عاشقاں را عشق باید ایں چنیں
اے کہ تو چوں بر خودی والا شوی
از خدا رستہ بخود شیدا شوی
عشق سرگرم عمل باشد ہمہ
در عمل صد بیخودی تابد ہمہ
چوں ترا ذوقِ عمل پیدا شود
بیخودی آید خودی از خود رود
عقل را پیش و پسِ تعویق ہست
عشق را فطرت ہمہ تخلیق ہست

بوئے جاں بر جان و تن زد از بیخودی
عشق مستحکم شود از بیخودی
ذرہ ذرہ از سرور بیخودی
رقص می گیرد بہ نور بیخودی
روح را پاکیزہ کن زاں پس ببیں
بیخودی کائنات این چنیں
جان و دل باشد بہ ہائے ہوئے او
کائنات در طواف روئے او
آنچناں از بیخودی مستیم ما
کس نخواہد گفت کہ ہستیم ما



در ایں معنی کہ خودی و بیخودی ہر دو از احوال عشق اند و لے خودی در حالت نزول پیدا میشود و بیخودی بر عکس آں

آں کہ تو گفتی خودی از خود مجو
حسن را ہم پردہا باشد شنو
حسن بہر پردگیہا در نظر
می نماید، جلوۂ ذات بشر
بے بصر را بس نشد در بزم جاں
جلوہ ہائے "قرۃ اعین"[1] عیاں
آنکہ خود را دید محو خود شدہ
واں خدا را دید بس بیخود شدہ

---

[1] اشارہ بہ آیۂ قرآن۔ فلا تعلمو نفسٌ ما اخفیہ لہم من قرۃ اعین (سورۃ سجدہ)

عشق را ہرگز نہ احمال خودی است
عشق افسردہ بہ احوال خودی است

عشق بیہم با خودی در جنگہا ست
عشق را بس سوئے حق آہنگہا ست

چوں نیابد ہیچ کس مطلوب جاں
می نہ بیند عشق جز محبوب جاں

چوں شوی محو نظر با چشم تر
ہم نظر گم کن تو از ذوق نظر

نے سمع باشد بہ عاشق نے بصر
جز بذات حق نیاید کس نظر

از شراب عشق مستم چوں توئی
من ز من بیگانہ ہستم چوں توئی

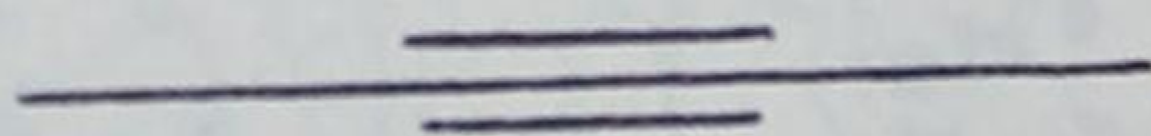
خویش را بینی بجائے بیخودی!!
بیخودی باید برائے بیخودی

در بیان آں کہ خودی بہ تمکن و قرار تلقین کند و بیخودی بہ اضطراب و ذوقِ عمل

بیخودی را پشت پا انداختی
تو خودی را منزلے پنداشتی
چوں خودی را بیخودی انجام ہست
ایں سر سودائے ما خوش کام ہست
عشق چوں تمکیں بر آرد خودی
حالتے از بیخودی باشد خودی
اضطراب ما شقی پُر آب است
زندگی را بیخودی سیلاب است
کو بجز دے و الاؤ شیدا شد ست
ویں خودی از گمرہی شیدا شد ست

چوں خودی تلقین بہ تمکیں می کند
ذوق و شوق عشق را از ما برد
فطرت عاشق ز خود بگستن است
سوئے ذوق بیخودی در رفتن است
چوں نہ بینی جلوہ ہائے شمع رو
کئے پسندی رقص بسمل گرد او
بہرۂ از جلوۂ جاناں طلب
جاں پیش از بیخودی آید بلب
چوں خودی ہم در خدا آخر شود
بیخودی بر مرکز اعلیٰ رود
ہست چوں زیبا خدا خواہد شدن
بہ ز خود بہتر فنا خواہد شدن
زندگی در جستجوئے ارتقا
صد بقا ما را سپردہ در فنا

چوں فنا باشد بقائے نو بہ نو
ہست مارا ارتقائے نو بہ نو



در بیان آنکه انکشاف حقیقت از وسیلهٔ بیخودی باشد و خودی در حصول آں موافق نیاید و مانع افتد

تا نگیرد بیخودی جان و دلت
عشق ناید رونقے در محفلت
عشق چوں ذوق فنا پرور بود
از خودی بر منزل خود کے رسد
گر شدی پروردهٔ ذوق خودی
اے نیابی بهره جز گمرہی
اے نیابی عشق جز "من فضل ربّ"[1]
پس خودی بگذار فضل حق طلب

---

۱ اشاره به آیهٔ قرآن

آں فقیرے کو بجوید فضل حق
نیست ناممکن شود گر اصل حق
عشق را ہر دم شبابے دیگر است
فضل حق را رنگ و آبے دیگر است
زانکہ ہر دم یافت فضل ایزدی
عشق باشد مست جام بیخودی
می نہ بیند می نہ شنود ہیچ کس
عشق را اللہ بس باقی ہوس
جان و دل سوزد بہ ہائے ہوئے او
از درونم می رسد خوشبوئے او
صد خودی قربان یک وارفتگی
کو برد جاں را بہ کوئے خستگی
من خودی از سر نہم تا سر دہم
جان و دل را پیش جاناں در دہم

اے چہ دانی لذتِ رقصِ جنوں
ہیزدہ عالم بہ مازیر و زبون
گر ترا باشد میسر ذکرِ حق
یافتم من جلوہ ہائے بکرِ حق
تو بذکر و فکر خود را داشتی
آنقدر بس دولتے پنداشتی
فکرِ ہر کس چوں بقدرِ ہمت است
آنقدر لطفش نگویم رحمت است
اے کہ با صد جبہ و دستار بود
چوں بہ عشق آمد ز خود خود را ربود
عاشقاں را لی مَعَ اللہ چوں رواست
ذوق و شوق عاشقاں ہم از خدا است
نے سجود و نے دعا و نے درود
در برم جز ذاتِ پاکِ حق نبود

عصرِ حاضر عشق کے سنجیدہ است
ذوق و شوقِ عاشقاں کے دیدہ است
آنکہ دیدہ روئے حق از حق شود
از خودی رفتہ بہ حق بیخود رود
ملتِ عاشق ز ملتہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است[1]



[1] شعر رومیؒ

دربیان آں کہ بنیاد ملک و ملت بر خودی باشد و بس تنازعہ لاالبقا بوجود آید ولے جمیع تنازعات در بیخودی گم شوند و منظر بلند بہ حصول آید

زندگی را ذوق حفظ زندگی است
مذہب و ملت ز احکام خودی است

زندگی از بہر حفظ زندگی
خویش را بند بہ آئینِ خودی

قوم و ملت زاں نیش زاید ہمی
پس حکومت ملک و دیں آید ہمی

اے گرفتار نصاب کفر و دیں
از خدا تو دور مانی ایں چنیں

تا کجا مانی قوم و ملت را اسیر
از خودی بگذر خدا را در بگیر

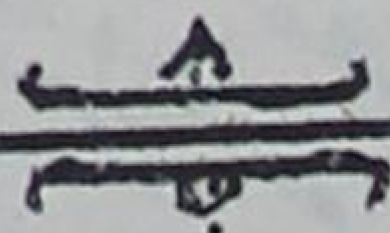
زندگی را چوں خودی آہنگ شد
ملتے با ملتے در جنگ شد

از خودی باشد تنازعہ لا البقا
ناکساں را آنکہ گرداند فنا

ذرہ ذرہ مظہر نور خدا است
چوں میان کفر و دیں چون و چرا است

اے کہ خود بینی نہ بینی ذات او
تو چگونہ گوئی ہست اللہ ھو

ملتے را چوں اساس از عشق شد
چارۂ جز درد انانش نہ بد[1]



[1] از ضرورت معنی بود گاہ بگاہ بُد نوشتہ شود و اساتذہ جائز شمردہ اند

در بیان آں کہ اقتضائے خودی حد بندیٔ وطن و امتیاز قوم و ملک باشد و فلسفۂ سیاستِ بین الاقوام را نفی کردن است

از خودی تو چوں بخود مانی ہمی
دیگراں را کم ز خود دانی ہمی
از خودی دیگر نمی بینی کسے
ہمچنیں ویراں شدہ ملت بسے
جلوۂ ذات است در عینِ وجود
آدمی از مشرق و مغرب نبود
توسنِ قہرِ خودی ہر کس براند
آدمیت گم شد و آدم بماند
چوں ز قہر و جبر بر انساں نتافت
در مذاقِ کفر و دیں انساں بتافت

ملت انساں ز ملتہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است [۱]
درمیان دو نہ آسودن روا است
بہ فرازِ آسماں رفتن بجا است
ایں زمیں از ملت و ملک و وطن
خوش نیاید لائق ما زیستن
"انتظارِ صبح خیزاں می کشم [۲]
نورِ جاں در چشمِ انساں می کشم
عشق را آرم فرازے دیگرے
نغمۂ فردا بہ سازے دیگرے
ایں زمین ما و تو ملک خدا است
ہر کجا خواہم روم بر من روا است

۱۔ شعر رومی بہ تغیر الفاظ ۲۔ مصرعے از اقبالؒ

قوم و ملت را نظامے ساختی
ملک بگرفتی و انساں باختی
شد تہی از درد انساں جان تو
کفر را صد خندہ بر ایمان تو



دربیان آنکہ احساس خودی از اشکال وقت و زمان پیدا می شود

آدمی از بہر خود باشد ہنوز
در دل و جانش خودی تا بد ہنوز
ہر کسے در فکر حاضر بودہ است
بہر خود صد رنجہا افزودہ است
چشم بکشا روز فردا ہم ببیں
بیخودی ما را شود چوں جاں گزیں
از مذاق روز فردا بے خبر
جز بہ حاضر شد نہ انساں را نظر
بیش از یکدم نہ بیند چوں کسے
برخودی بالیدہ ماند خویش بسے

وآنکه شد از روز فردا ہم خبر
بر خودی آنرا نشد یکدم نظر
وقت چوں پابند ماہ و سال نیست
بیخودی جز بہر ما احوال نیست



دربیان آنکه تعمیر عالم نواز بخودی باید شد و اگر چنین نشود ویرانی و خرابی و جنگ عالمگیر دیگر لازم خواهد شد

تو که خود را وقف کردی بہر خویش
از غم انساں نداری جان ریش
من که بہر دیگراں سوزم تمام
بہر انساں اشک ریزم صبح و شام
نوع انساں را چناں منظر دہم
این زغال خشک را اخگر دہم
اے مثال شمع روشن کن جہاں
کو ہمی سوزد برائے دیگراں
گر خودی را در غمے بگداختی
نوع انساں را بلند افراشتی

ہر کسے از یک خودی در صد محن
خوش بروں آمد ز تاریخ کہن
کس ندارد جز ہوائے خویشتن
ہر کسے باشد برائے خویشتن
نوزدہ صد سال ضائع در گذشت
ہیچ کس از بیخودی از خود نرفت
جز خودی چوں کس نہ بیند ہیچ کس
بندۂ در بند تو شد چوں مگس
از خودی گر تو فروزاں آمدی
نوع انساں را پشیماں آمدی
از خودی چوں احتراق دیگر است
باز در عالم نفاق دیگر است
باز دیگر قلب انساں تنگ شد
باز در عالم صلائے جنگ شد

گر خودی باشد پئے تقریب ما
غرق خواہد شد چنیں تہذیب ما
از فساد جنگ بگذارد عالمے
زآنکہ گردد نیست زنہار عالمے



در بیان آنکہ جمیع آرزوہا منقسم بہ دو حالت اند یکی متعلق بہ خودی و دیگر متعلق بہ دیگران کہ از جذبۂ خدمت خلق موسوم است و محتاج بہ خودی نیست

فطرت انساں اگرچہ آرزوست
زندگی را از محبت آبروست
آرزو زانکہ خود آرا آمدہ
نفس امارہ بہ جلوا آمدہ
آرزو را اگر خودی بنیاد ہست
جان ما از بیخودی آباد ہست
من بفکر خدمت نوع بشر
جان و دل سوزم بی ذوق دگر
جان و دل از ذوق خود آباد نیست
آرزویم را خودی بنیاد نیست
قیمتم افزود ذوق ہائے ہو
از خودی و خود ندارم رنگ و بو

گر خودی شد شیوہ ہائے ناقصاں

ہمت مرداں برائے دیگراں

از خودی چوں نوعِ انساں مردہ شد

جذبۂ خدمت زما افسردہ شد

بایدت با بیخودی ہم ساختن

جان و دل را طرح نو انداختن

گر دمے تو از خودی بیروں شوی

در غم نوعِ بشر مجنوں شوی

عشق را چوں ہست فطرت سوختن

شمعِ محفل شو ز خود افروختن

چوں غم انساں و ہم جاں را دگر

ظلمت شب را شود تازہ سحر

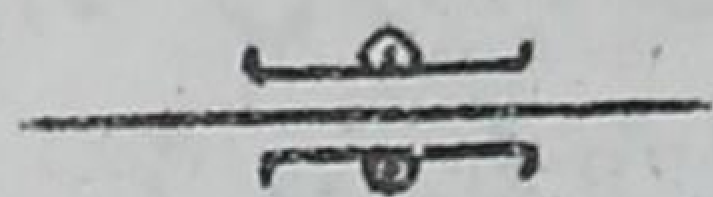
رنگ قوم و ملک و ملت چوں نماند

در جہاں جز خالق بیچوں نماند

در این معنی که فطرت انسان چیست و جمیع رنجها از ناشناسی فطرت خود به انسان می رسند

عشق را چوں فطرت احسن شد است
در پئے تردید ما و من شد است
زندگی را بیخودی چوں رہنماست
آدمی را خود پسندی کے رواست
گر بشدت مرغوب خود نگریستن
کمتری یابی مذاق زیستن
نوع انساں را اکرم کردہ اند
آدمی را بہر آدم کردہ اند
در غم محفل چو شمع خود را بسوز
ذوق درد نوع انساں بر فروز

فطرت دل آدمی نشناخته
آبروئے نوع انساں باخته
زآنکه خود را بس همی بینیم ما
پئے به پئے صد رنجها چینیم ما
از غم انساں اگر باشد خبر
هیچ غم ما را نیاید در نظر



در بیان آں کہ روز فردا انقلاب عظیم در طرز فکر انسان واقع خواہد شد ہر کسے برائے ہر کسے خواہد سوخت

روز فردا خوش ہمی بینم بسے
غم برد ہر کس برائے ہر کسے
بہرہ از عشق گر یابد کسے؛
می برد غم از پئے انساں بسے
روز فردا چوں نظام دیگر است
ہر کسے را صبح و شام دیگر است
وا شود فردا کتاب بیخودی
ہر کسے مست شراب بیخودی
آنکہ می ورزد خودی محروم شد
"وآنکہ خدمت کرد او مخدوم شد"

چوں ز خود را باز دارند از خودی
کاش ما را واگذارند از خودی
قیمت ما از محبت می شود
روز فردا روز خدمت می شود
رنگ و قوم و ملک و ملت را بسوخت
از محبت ہر دو عالم بر فروخت
چوں غم انساں ضمیر ما شود
عالم نو از ضمیر ما شود؛
صبح فردا جنتے است در جہاں
آنکہ می بینم نیاید در بیاں
اے کہ من بخشم سرور بیخودی
خویش را گم کن بہ نور بیخودی
"مرداں خو گر یک دیگر شوند
سفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند"[۱]

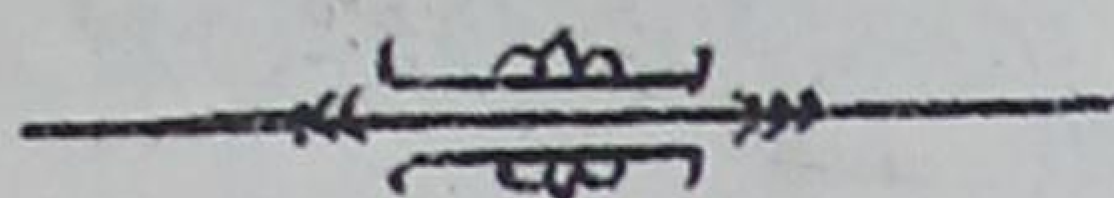
۱؎ شعرے دکتور سر محمد اقبال

در بیان آں کہ اگر در عشق خداوندی بیخودی میسر گردد عشق بنی نوع انسان بدست آید و سوزش دیگر پیدا کند

عاشقے چوں یک دمے خود را نہ دید
از شب او صبح فردا شد پدید
تا کجا حفظ خودی قلب و جاں
اے تو شمع شو برائے دیگراں
از خودی آداب انساں دیگر اند"
"سوختہ جان و روانان دیگر اند
آنچناں رستہ شدم از مہر خود
شستہ ام داغ خودی از چہر خود
نوع انساں را چراغ افروختم
خویش را از سوز انساں سوختم

چوں خودی وخود کسے از خود بسوخت
نوع انساں را چراغ بر فروخت
از خودی و خود پرستی وا رہم
من اساس نو بہ دلہا می دہم
چوں مذاق دردِ انساں دادہ ام
من نظر را پردہ ہا بکشادہ ام
چوں گلے راہست از گلشن وجود
اختلاف رنگ بو چیزے بنود
اے کہ ما ہستیم در عین وجود
کس نمی بینیم از زرد و کبود
اختلاف کفر و ایماں سوختیم
ہر دو عالم بہر جاناں سوختیم
چوں زجان و دل برم فرمان دوست
از دل و جان جاں و دل قربان دوست

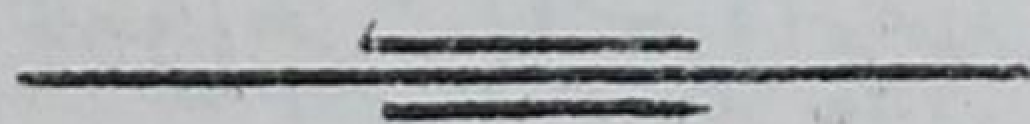
امتیاز ملک و ملت سوختم؛
نوع انساں را شقاوت سوختم



در بیان آں کہ چوں انسان خودی ورزیده است
خطرہائے عظیم بنی نوع انسان را در پیش اند

لذت ہستی بہ ذوق غم فتاد
بیخودی بُرد است آخر بہ مراد
از غم انساں بہ جاناں شادیدم
ملتے از نوع انساں بایدم
صد فساد اندر پے سرمایہ شد
از خودی ہر کس اسیر وایہ شد
چوں حکومت را اساس از دل شود
آدم با رونق محفل شود
آبیاری گلستاں بایدش
باز دیگر فکر انساں بایدش
گوہرے را آب گوہر لازم است
زندگی را طرح دیگر لازم است

کارگر در کارہا باشد حقیر
ناقص و نااہل بینی بر سریر
عاقلے را ہست فکرِ آب و ناں
جاہلے را لوزنہ اندر دہاں
عصرِ حاضر را خرد دستور نیست
بہرۂ جز چشمِ تر مزدور نیست
اے زعیم خطہ ہالرزد خردی
طوقِ زریں در بر خر می سزد[1]



---

[1] اشارہ بہ شعر حافظؒ۔ اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

در بیان آن که اساس ملت نوعی انسان را خودی ممکن نتوان شد زیرا که جزو را خودی ملتزم است و کل را این حالت میسر نیاید بسبب آن که او مقابل غیرے نشود و جمیع ملل را مشتمل باشد

چوں کہ بیرون خودش دیار نیست
نوع انساں را خودی درکار نیست

از تمیز غیر می زاید خودی
در حضور غیر می بالد خودی

در تقابل رنگہا خیزد خودی
در تماثل خویش را ریزد خودی

نوع انساں را مقابل چوں نشد
ہیچ کس زاں ملتے بیروں نشد

جزو را تا جزو گفتن بایدم
در مقابل جزوے دیگر شایدم

جزو را از حفظ خود باشد خودی
پس ز میں کل نمی آید خودی
گر بذات کل تعلق شد مے
پس خودی زاں پس نمی زود کسے
امتیاز ملک و ملت در شود
اعتبار ما و تو ہم سر شود
چوں سیاست را اساس آدم بود
عالم دیگر بہ ایں عالم بود
نوع انساں را فروغے ہست ازیں
ناتوانی خویش را تنہا مبیں
غیریت ما بین انساں چوں برفت
بر اساس تازۂ عالم نشست

سیاسیات

دریں معنی کہ اساس فرد ابر محبت عالمگیر خواہد شد

و دریں حال تنقیض خودی لازم است

ہیچ بہرہ ور نہ گردی از ورق
ہست لیکن در کتابے صد سبق
لفظ چوں با لفظ می آید اگر
معنیٔ نو جملہ را گردد دگر
آدمیت را اگر شیرازہ شد
نوع انساں را دگر آوازہ شد
آدمیت را دگر تعمیر کن
جان و دل از جان و دل تسخیر کن
ملتے با ملتے تحلیل کن
انقلاب تازۂ تشکیل کن

رنگ و ملت را اگر گلخن شدی
اے زہے من تو شدم تو من شدی[1]
آدمیت را دہم شکلے دگر
آدمی را میشود عقلے دگر
ہمچنیں در وید و قرآں آمدہ
آدمیت بہر انساں آمدہ
ہیچ کس خود پروری را نآمدہ
اے بہ آتش اعتبار خام دہ
نوع انساں زیں سخن محکم بود
ملت ما ملت آدم بود

---

[1] از یکے مصرع حضرت امیر خسروؒ

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ [1]

آدمی را امتحاں مقصود بود
پس ہمہ فرق ملل محمود بود
گرچہ ذوق ما و تو افزودہ اند
لیک امت را یکے فرمودہ اند
فطرت ما جزئے یزداں نہ است
پیش حق جز ملت انساں است
وائے ما پابند خود بینی شدیم
حسرتا ایرانی و چینی شدیم
آدمی محروم و نومید و دژم
شد میان ہند و ترابون و عجم

---

[1] آیۂ قرآن کہ اگر خدا خواستے شما را امت واحد گردانیدے ولکن امتحان شما مقصود بود کہ در حصول خیر جہد کنید

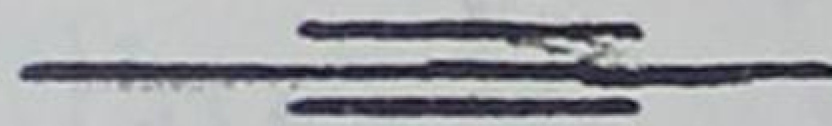
درمیان ہند و ایراں روس و چیں
آدمی تقسیم گشتہ ایں چنیں
رخنہ ہا در آدمیت ساختیم
ملک بگرفتیم و انساں باختیم
ہیچ کس از بہر کس چوں غم نخورد
آدمیت شد اگر آدم نمرد
فکر دو ناں بہر خویش و اقربا
فکر مرداں بہر عالم شد بجا
ہمت مرداں برائے عالمے
طرز فکر ما دوائے عالمے

دربیان آں کہ ہیچ ملت بے تصور مخصوص ظہور نہ پذیرد و ملت انسان فردرا اقرار وجود باری تعالیٰ سنگ بنیاد خواہد شد

گرچہ زید و عمر را حرص خودی است
ہم خیالی ملتے را زندگی است
ملتے را از تخیّل شد حیات
آں تخیل ملتے را عین ذات
روز فردا ملت انسان نو
مدعائے جدید از ایمان نو
یک تصور آدمی را لازم است
کاں تصور زندگی را لازم است
چوں بہ صلح و خیر را عازم شد است
آدمی را ایزدے لازم شد است

آدمی سوزد پے انسان نو
ہست یزداں را اگر برہان نو
آدمی را ہست انساں آرزو
عشق روشن گشتہ از "اللہ ھو"
از خدا چوں دور باشی اے حبیب
کس نخواہد گشت نزد تو مجیب
اے کہ بیروں تا نیائی از خودی
می نیابی مدعائے زندگی
ہر کسے بیند ہمی گر خویش را
کس نیابد از کسے خویش را
فطرت آدم کہ از خود رفتن است
خویش را با دیگراں پیوستن است
او لا بہر عزیز و اقربا
خویش را سوزد پئے ذوق وفا

بہر ملت ثانیاً زاید ہمی
زندگی تازہ اش آرد ہمی
تا ثنا چوں نیست او را ذوق خویش
از پئے انساں گداز د جانِ ریش



دربیان آنکہ اسوۂ حسنۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معیار اخلاق انسان فردا خواہد شد

من کہ سوزم در پئے تعمیر نو
آدمی را می دہم تقدیر نو

بہر او چیدم صفاتِ تازہ
عالمے را شد حیاتِ تازہ

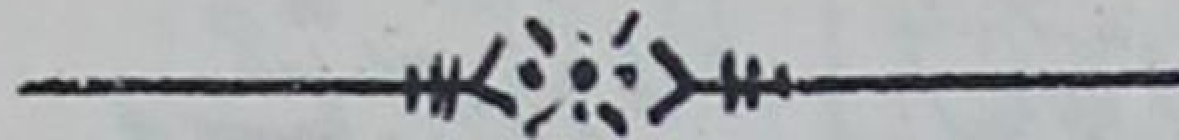
روز و شب زاریدہ ام من بہرِ او
سالہا شد آدمی را جستجو

عالمے را آدمی دیگر بیار
آدمی کو بہر ما گردد عیار

اے کہ از یونان و ایران و عرب
آدمی گر ہست پیش ما طلب

آفتابے از عرب ذوقم فزود
جلوہ ارزاں کرد و جانم در ربود
اے کہ او صد زینت ایمان ہست
آیۂ "لولاک" را برہان ہست
فخر آدم فخر دنیا، فخر دیں
رحمتے بہر دو عالم ایں چنیں
نوع انساں را غم انسان داد
مرغکے پر بستہ را پر کشاد
اے کہ ما از فیضِ او انساں شدیم
لطف پروردہ سوئے یزداں شدیم
آدمیت را فروغے شد ازو
می کند نازش خدا ہم آرزو
بہرِ انساں مرکزے آراستے
آدمیت را علم افراشتے

کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوۃٌ فرمودہ است
بہرانساں جان و دل را سودہ است
مومن آں شد کو پئے حق چوں برفت
نوع انساں در بر خود در گرفت



در بیان آں کہ اخلاق محمدیہ تمثیلے بر آں نوع انسان باشد و پیروئی آں برائے نوع انسان لازم است

جان ما را شد دگرگوں روز و شب
آدمی نایاب "ارزاں بولہب"
ہر کسے چوں از محمدؐ دور شد
خویش را بر منزل خود رہ نبرد
ہر کسے چوں از محمدؐ نور یافت
نوع انساں را چو مہر و مہ بتافت
ہر کسے چوں با محمدؐ یار شد
گر خسے بودہ ہمہ گلزار شد
ہر کسے چوں با محمدؐ یار گشت
دو جہاں بگذاشت در پایش نشست

ای که دل اشکسته را قیمت از وست
نوع انسان را همه زینت از وست

پی به پی در عشق هائے او برم
جان و دل آشفتم که نام او برم

او که انسان را ازو تکمیل شد
ملت آدم ز نو تشکیل شد

ملت آدم ز فیض او منیر
پیش او یکساں فقیر و هم امیر

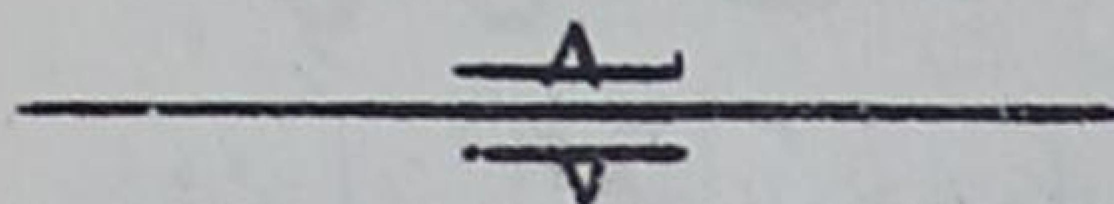
هر دو عالم بهر ما بکشاده است
زندگی را مدعائے داده است

پیش ازو جاں جز پئے مردن بود
زندگی جز خفتن و خوردن نبود

او مذاق عاشقی با ما سپرد
پیش یزداں ملت آدم ببرد

این مقام عشق جز او کس ندید
از دو عالم آدمی را برگزید
او که انساں را علم الانسان داد
جان و دل را تابش از قرآن داد
جانِ دل را مشعلے آوردہ است
زندگی را صیقلے آوردہ است
نقش پایش عالمے را آفتاب
صد نجات از خاک پائے او بیاب
مہر و ماہ و کہکشاں سودہ جبیں
زیر پایش ہر دو عالم را ببیں
جان و دل را شد عیائے تازۂ
زندگی را نو بہارے تازۂ
آں مقام زندگی با ما سپرد
لات و عزیٰ را شمع ہستی فسرد

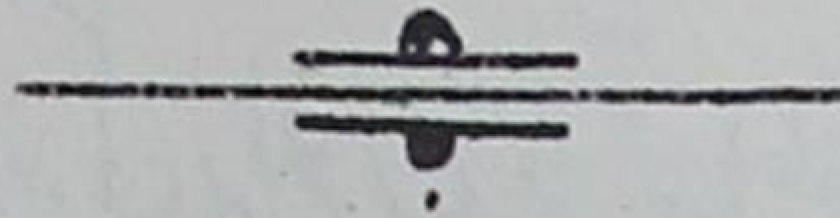
عشق را آں جلوۂ بے رنگ داد
امتیاز ما و تو رفتہ بباد
ملت آدم ز ملتہا جدا است
آدمی را دین و مذہب بس خدا است



دربیان آنکه لائحه عمل بنی نوع انسان فردا اسلام خواهد شد

زندگی را چوں تلاش مدعاست
مذہب و حکمت پئے آں رہنماست
اے کہ باشی خوش خرام زندگی
زندگی جوید نظام زندگی
زندگی را آں نظامے بایدے
کو نظام زندگی را شایدے
زندگی گر نیک انجام آمدہ
نوع انساں بہر اسلام آمدہ
در تلاش منزلے اقدام ہست
آدمی را فطرت اسلام ہست
آدمی را ز آنکہ نیک انجام ہست
مقصد اقصیٰ مگر اسلام ہست

ذوق و شوقِ عشق تا ہست مدعا
اے نگر بوزے رسی با مصطفےٰ



در بیان آنکه حوصلهٔ پیغام محمدؐ تاهنوز حاصل نشده است و نیز اینکه اسلام لائحهٔ عمل باشد برائے نوع انسان پس غلط است برائے مسلمان کہ خویش را پابند ملت محدود شمارد و نوع انسان را در خود نبیند

در پئے اسلام زآنکه هرکس است
آدمی را این همی ملت بس است
زآنکه ذوق ما و تو خام آمده
نوع انسان بهر اسلام آمده
این نه خوش دانست تا امروز کس
ملت انسان هست اسلام بس
ملتے با مے پیوستن است
با خدا بودن و از خود رفتن است
می برد اسلام سوئے بیخودی
خویش را گم کن ز خوئے بیخودی

از خودی اسلام را شد خطرہ ہا
سوز ما با کس نشد جز بہر ما
سوز ما با دیگراں باید رسید
ہر کسے در ذوق حق باید تپید
قلب و جاں چوں وقف شد بہر خدا
پس نظر آید مقام مصطفےٰ
ہم نظر محو است در ذوق نظر
عبدہٗ کس نیست جز خیر البشر
عشق را چوں ہست محکم آیتے
نوع انساں را سراپا رحمتے
از جمالش چوں سیدہ زنگ و بوست
جان قربانش کنم ایں آرزوست
صبح فردا جز پئے گلشن نہ است
موسم گل بہر یک سوسن نہ است

آں پیام سرور ہر دو سرا
نوع انساں را شود محکم بجا
ملت اسلام چوں محدود شد
کم نگاہی و خودی مقصود شد
پردۂ ناموس مذہب بر درید
آں مسلمانے کہ جز خود کس ندید
عاشقے را ایں سخن درمان بود
ملت ما ملت انسان بود
ایں تنفر ایں خودی از بس مجو
کفر ہم ایمان ورزد صبح نو
صبح نو اسلام را چوں میشود
کفر آں دم در پئے ایماں رود
ناکسے بیچارہ محروم خدا
روزے خواہد یافت عشق مصطفےٰ

حال او امروز گرچه ابتراست
روز فردا زندگی روشن تراست
روز فردا نیست جز انوار حق
عالمے سرگشتۂ دیدار حق



پس چہ باید کرد اے انسان نو

زندگی را تا شود احسان نو
پس چہ باید کرد اے انسان نو
نازہا بشکن تو از بہر نیاز
طرز فکر آدمی از نو طراز
لذت خود گرچہ مارا در سرا است
زندگی از بہر انساں خوشتر است
کس ندیدہ گر کسے جز خویشتن
"ننگ دنیا ننگ دیں ننگ وطن"[1]
آدمی را ذوق آدم چوں شود
ہر کسے از بیخودی بیچوں شود

---

[1] مصرع از اقبالؒ

خود نگاہی، خود پرستی و خودی
عقل را بگذاشتی حیوان شدی
اے ز ملتہا شدہ چوں حرص آز
آدمی را ملتے دیگر بساز
گر رود از ما تمیز ما و تو
بیخودی گردد اساس آرزو
اے کسے ہم غیر را پروانہ شو
از غم انسانِ نو دیوانہ شو
ملت و ملک و وطن سنجیدہ ام
پردہ ہائے زندگی برچیدہ ام
اے میاں لا خویش را زنگ خودی
مشربے باید برنگ بیخودی
کافر و مومن اگرچہ دیگر اند
ہم جمال دوست را چوں اختر اند

نوعِ انساں در برِ خود در بگیر
از محبت نرم و نازک چوں حریر
اے ترا اگر با محبت کار شد
دو جہاں از فیض تو سرشار شد
جان و دل را از خودی گر زنگ ہست
آدمی ہم بہر آدم ننگ ہست
از خودی شد صد زیاں انسان را
آدمی ماند مگر حیوان را
لحظۂ خود را بکن از خود رہا
پیش یزداں خوش بیا سا خویش را
ہیچ کس خود را ز خود بیروں نبرد
حیف بہر آدمی کس غم نخورد
جان ما سوزد پئے آدم اگر
عالمے را میشود عالم دگر



"بادۂ تلخ"

(انتخاب غزلیات)

زخوشبوئے دلآویز معین الدین حسن رقصم
بہ طوفِ گلشنِ لطفش چو بوئے یاسمن رقصم

خوشا وقتے زہے بختے کہ در ذوقِ وصالِ او
چو خاکِ پاکِ پائے دوست در دشت و دمن رقصم

زفیضِ چشمِ مستِ او نہ کفر و دیں گذشتہ ام
ہمی نازم کہ در طوفِ معین الدین حسن رقصم

اگرچہ اندرونِ من بجز خوشبوئے جاناں نیست
مگر حیراں زمشکِ خود چو آہوئے ختن رقصم

انا الحق، گرہمی جرم است کزوئے قتل لازم شد
بہ ذوق و شوق تیغش بے نیاز جان و تن رقصم

اگر بر مرقدم آئی بہ ذوق ناز فرمائی
غزلخوانی کناں خیزم بہ شوق اندر کفن رقصم

مرا ہم دین و ملت بود ہم جانے و ایمانے
خرد پروردۂ بودم ز لطفِ ذوالمنن رقصم

بہ من اسرارِ جانِ خویش ظاہر شد بہ ایں ساماں
کہ از فیضِ نگاہِ دوست با دار و رسن رقصم
بہر جانب کہ می نگرم بجز او کس نمی یابم
ز بوئے نافۂ مشکیں چو آہوئے ختن رقصم
نہ ے انساں بہ ذوقِ دردِ انساں گرد مے سوزد
میانِ انجمن بہر فروغ انجمن رقصم
ہمی دانم کہ ذوقِ دردِ انساں کار طفلاں نیست
سراپا سوزِ غم ہستم بہ عزمِ کوہکن رقصم
ز امیدِ نویدِ صبحِ روشن زندگی روشن
بہ تجدیدِ مذاقِ عشق در بیت الحزن رقصم
مذاقِ عاشقی انور مگر روشن شود روزے
منِ پروانۂ سوزاں میانِ انجمن رقصم

خمارِ چشم مست دوست گر ارزاں شود روزے
ہمہ عالم ز فیضِ بیخودی رقصاں شود روزے

نقاب از چہرہ بکشایند، جلوہ عام گردانند
خودی و خودپرستی را اگر درماں شود روزے

بہ ذوق و شوقِ پروانہ بہ طوفِ دوست خواہد شد
ہمی انسانِ بے ذوقے مگر انساں شود روزے

مسلمانی نثارش باد کو از عشق می رقصد
برہمن این چنیں ہم مائلِ ایماں شود روزے

ز فیضِ چشمِ مستِ او بہ نقشِ پائے جاناناں
برہمن را روا باشد اگر قرباں شود روزے

منم سرشارِ ذوق او ز جان و دل گذشتہ ام
ترا واعظ ہمی خواہم ہمی ارماں شود روزے

سر و جاں را نہادہ ام بہ تیغِ نازِ رعنائی
مگر جاں از تپیدن لائقِ جاناں شود روزے

تجلی را بیفزاید جان عالمے سوزندہ
بہ جان انور مسکیں ہمیں احساں شود روزے



در برجانم جمالِ روئے جاناں دیدہ ام

جانِ ایماں واگذارم جانِ ایماں دیدہ ام

ہر کسے از گمرہی اندر خیال خویشتن

ہیچ انساں رانہ ذوق دردِ انساں دیدہ ام

ملک و ملت واگذارم کفر و ایماں در دہم

در جنونِ خود علاجِ دردِ انساں دیدہ ام

مولوی و گبر و ترسا و یہود و برہمن را

ہر کسے را فیضیابِ ذوقِ جاناں دیدہ ام

ہر کجا بہر تماشہ شمع محفل گشتہ اند را

ہم چراغ دیر را روشن تر ایماں دیدہ ام

از جمال روئے ساقی و ز نگاہ ہر او را

ہر گلے را در فراقش چاک داماں دیدہ ام

دین و عقبیٰ واگذارم طوف ساقی میکنم

ہر دو عالم گرد روئے دوست رقصاں دیدہ ام

انورؔ بدمست و بیخود ہر اکہ ایماں سوخت است
اندرونِ دیرہم از روئے ایماں دیدہ ام



حسن بے ذوق تماشائی رقصاں تا کے
عشق بے حوصلۂ چاکِ گریباں تا کے

من کہ پروانہ صفت گردِ جمالت رقصم
خوگرِ لذت جان و دل و ایماں تا کے

صبح انساں اگر از سوزِ درونم باشد
شعلۂ عشق چراغِ تہِ داماں تا کے

ملت و ملک و وطن ساختیِ از ذوقِ خودی
فکرِ انسان بہ اندازۂ انساں تا کے

اے خوشا روز کہ انساں پئے انساں سوزد
عشق پیچیدۂ گیسوئے پریشاں تا کے

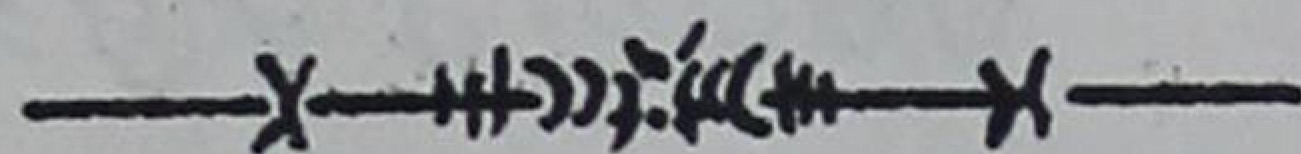
ایں ہمہ ذوقِ وجودم بتو قرباں بادا
عشق پروردۂ مجبوری و حرماں تا کے

اے کہ از خود خبرم نیست بہ پیشِ رویت
غفلتِ خود بیں بہ منِ مست نگہباں تا کے

نیست دشوار کہ دنیائے کہن را سوزم
ذوقِ جاں ہست اگر شکوۂ دوراں تا کے

زندمی گفت کہ انساں شود انساں روزے
مشکلے نیست کہ مشکل چنیں آساں تا کے

انورِ مست کہ گردِ بتِ کافر رقصد
ایں چنیں برہمنِ شوخ مسلماں تا کے



منم چوں در ہوائے یار باشم
جہاں سوزم پئے دلدار باشم
ز جان و دل پئے جاناں گذشتم
کہ من ہم طالب دیدار باشم
من انساں را کہ دل بگداشتہ است
ز فیض درد دل غمخوار باشم
ہمہ سوزم رواج کفر و دیں را
ز فیض چشم او میخوار باشم
اگر از ابر لطفش قطرہ ریزد
گلِ خود را گلِ گلزار باشم
مرا شوقیست در تکمیل ہستی
غبار خاک راہ یار باشم
کنشت و کعبہ را از ذوقِ ایماں
ہمی دیدم کہ من بیکار باشم

نگاہے گر بہ انداز نداین سو
نثارِ نرگسِ بیمار باشم
دریدم خرقۂ زہد ریائی
گنہگارم بہ استغفار باشم
ہوس دارم ز فیضِ لطفِ ساقی
کہ من خود قیمت و دیدار باشم
اگر مسجد نہ سازد با دلِ من
ز رسمِ دیر ہم بیزار باشم
دو عالم سوختم در ذوقِ مستی
ز خود ہم در رہِ انکار باشم
"ھوالحق" نغمہ سازم رقص گیرم
خوشا انورؔ اگر بر دار باشم

منم بیخود سرِ بازار رقصم
ز فیض چشم او ہموار رقصم

ہمہ رقصند عرش و فرش و کرسی
نہ من تنہا ہمی زنہار رقصم

نہ ہے راہے کہ سوئے او مرا بُرد
ز شوقے بر سرِ ہر خار رقصم

منم آں ہوشیار از فیضِ ساقی
دریدم جبہ و دستار رقصم

ندانم جان و دل تا کے تواں بُرد
کہ گردِ شمعِ روئے یار رقصم

مگر از کیست دعوائے "انا الحق"
"ہو الحق" گویم و بر دار رقصم

منِ دیوانہ در مقتول گاہم
بوقت قتل بر سوفار رقصم

بہ دیر و کعبہ و صحنِ کلیسا
منِ بیخودئ دیدار رقصم

مگر رازش بہ محفل فاش گردد
ز شوخی در پئے اظہار رقصم

منِ انور ندانم رسمِ دینے
ز مستی در پئے دلدار رقصم

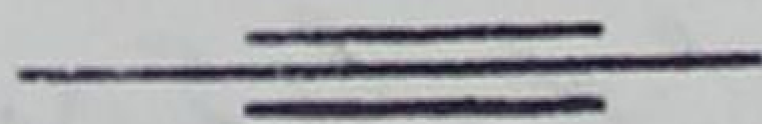
زسنگ اسود و بتخانه گشتم
بیائے ساقی میخانه گشتم
نه بودے جز محال خود فروشی
به شمع روئے او پروانه گشتم
مرا چوں بود حرص مے پرستی
زفیضِ چشم او مستانه گشتم
شراب چشم میگوں شوق افزود
خرد بگذاشته دیوانه گشتم
چو کامم از خودی دشوار دیدم
خودی بگذاشته پروانه گشتم
به روئے صبح خیزانش فدایم
زحرف بیخودی مستانه گشتم
دو عالم سوختم اندر پئے او
بصد دیوانگی فرزانه گشتم

ہمہ فرزانگاں دیوانہ باشند
مرا گویند کہ دیوانہ گشتم

ز درد ہجر و فیض لطف ساقی
شراب عشق را میخانہ گشتم

برائے دولت حسن قبولش
جہاں را از غمش افسانہ گشتم

"ھو الحق" را سرودی نغمہ انور
چہ خوش مستانہ مستانہ گشتم



چوں ہیچ متاعم نیست جز جانِ فگار اولیٰ
من رندِ خراباتم در رہنِ خمار اولیٰ

دہ ہشت ہزار عالم چوں خاکِ درش باشد
از تاج و کلہ بر سر خاکِ رہِ یار اولیٰ

گر جاں پئے جاناں شد سرمستی ہمی خیزد
زنارِ برہمن از تسبیحِ شمار اولیٰ

جاناں چوں ہمی جستم اندیر و حرم رستم
از ساغرِ چشمِ او جانم بخمار اولیٰ

با وصل ہمی سوزم در ہجر ہمی میرم
ایں ذوق کہ من دارم از صبر و قرار اولیٰ

آنکس کہ "انا الحق" زد بیزار شود از جاں
ایں راز کہ می گویند با دشنہ و دار اولیٰ

گر جانِ نزارِ ما با او نرسد النور
در یادِ عذارِ او گلگشتِ بہار اولیٰ

کفر و دیں را چہ کنم ملت جاناں خوشتر
ہیچ ایماں نہ وزیدم ہمیں ایماں خوشتر

بسکہ خود را بفروشم بہ ہوائے لطفش
قیمت جلوہ مگر ایں قدر ارزاں خوشتر

از خودی شوقِ گلے من نہ پذیرفتم ہیچ
بندۂ عشق شدم ذوقِ گلستاں خوشتر

گرد درویش ہمی رقصم کہ نثارش بادا
جان و دل را چہ کنم جاں پئے جاناں خوشتر

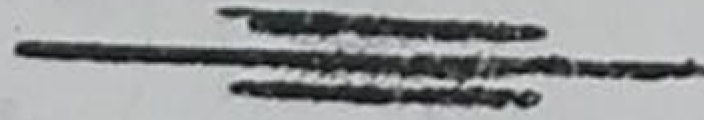
یادِ جاناں نہ گذارد کہ کنم یادِ کسے
ہیچ ارماں نہ پذیرم ہمی ارماں خوشتر

ہیچ منت نہ پذیرم ز مسیحِ مریم
انتظارِ نظرش دردِ بہ درماں خوشتر

چوں بگفتم کہ بہ ارمانِ تو سوزد جانم
او بفرمود کہ جاں راہمی ارماں خوشتر

آنکہ ملت نہ پذیرد نہ پرستد ملکے
روز فردا دریں عالم ہماں انساں خوشتر

شکوہ انور نہ سزد در غم جاناں کردن
درد خوش است وبے منت درماں خوشتر



خوش بود ہر دم بیاد روئے جاناں زیستن

رسم در راہِ کفر و دیں را ہمچو طوفاں زیستن

از رواج دیر و کعبہ جاں بسوزد در فراق

ایں چنیں تا کے سزد مارا پشیماں زیستن

مسجد و دیر و کلیسا، ملت و ملک و وطن

بسکہ دشوار است انساں را ہم انساں زیستن

کس نداند کیں مذاق دردمند عشق چیست

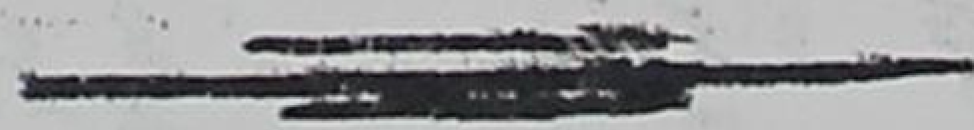
گرد شمع روئے جاناں فارغ از جاں زیستن

چوں ندیدہ روئے تو مہجورم اے جانِ حیات

ہم در آتش مردن است اندر گلستاں زیستن

کس بجز انور نداند ایں مذاقِ عاشقی

بہر جاناں مردن و ہم بہر جاناں زیستن.



به امیدے نشسته ام به راهے
به مسکیں شهسوارا یک نگاهے

اگر تو جز حرم محرم نه بینی
پناهے زیں حرم جویم پناهے

ز تعمیر کنشت و دیر و مسجد
همه ساده دلاں سازند الٰهے

تو اے زاهد که حور و قصر خواهی
ثوابے جوئی با ذوقِ گناهے

ز من عذر گنه آخر چه پرسی
کرم از تو سزد از من گناهے

اگر از بیخودی ایماں دریدم
نظر دارم ز تو لطف نگاهے

دو عالم سوختم خود خاک گشتم
به شوق تو به امید نگاهے

من آزاد گناه و زجر و توبیخ
به بتخانه شدم چوں بے گناهے

متاع عاشقاں جز این قدر نیست
همیں اشک و مناجاتے و آهے

دلم از بهر تو جاناں بر افروخت
به هستیٔ خودم شد اشتباهے

به واعظ چشمکے کردم و رفتم
گنه بدتر که با عذر گناهے

بسوزم کفر و دیں بر شمعِ رویش
مرا از دیده نه هرگز رسم و راهے

به شوق او دلم انور بگردید
ز دیر و مسجد و هم خانقاهے

زدیر و مسجدے انکار بادا — ہمہ عالم پئے دیدار بادا
کنشت و دیر و مسجد را ہمہ سوز — بہار او گل بے خار بادا
ز فیض جلوہ اش گم کردہ خویشم — نثارِ او سر و دستار بادا
ہمیں ذوقم نہ خوفے در پذیرد — ز استغفار استغفار بادا
بر خاکِ پایش سر نہادی — دلت از کفر و دیں بیزار بادا
زہے انور کہ در ایں ذوق رقصد — ہمہ عالم بہ شوقِ یار بادا

الا یا ایہا الساقی بہ مستی آر محفلہا
مذاقِ خود پرستی و خودی زیبد نہ در دلہا

من بشکستہ کشتی بہ ذوقِ امتحانِ خویش
ہمی نازم بہ طوفانے گذشتہ ام ز ساحلہا

ہماں بے رنگیٔ نور است کز فیضِ جمالِ او
بہ ہر فانوس رقصد است پروانہ بہ محفلہا

بہ دیر و مسجدے رفتم مذاقِ درد کم دیدم
ہمہ شیخ و برہمن یافتم گم کردہ منزلہا

چنیں بیخود شدہ الورؔ کہ بر ہر زخم می رقصد لہ
تو آں قاتل کہ خوش بینی بہ مقتل رقص بسملہا

لہ ماخوذ از حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتیؒ بہ تغیر الفاظ

غلط نامہ

صفحہ	سطر	لفظ	اصلاح
۴	۶	ہنو جائے	ہو جائے
۵	۳	بہویخے	بہونچنے
۱۲	۵	جان	جاں
"	۷	دو دیدار	دیدار
۱۸	۲	از زیدہ	از دیدہ
۲۳	۳	امراعت	مراعت
۲۸	۱۲	جان	جاں
۴۶	۳	بگسنتن	بگسستن
۶۴	۶	کمتری	کمترک
۶۹	آخری	جاں ودل	جان ودل
"	"	دوس	دوست
۷۴	۱۰	ناتوانی	تاتوانی
۸۰	۱۰	نیاید	نیابد
۸۵	۴	نبرد	نبرد
۱۰۷	۷	از دوق	دز ذوق
۱۱۲	۳	محال	مجال
۱۱۷	۳	ز فراق	در فراق
۱۱۸	۱۱	با	یا
۱۱۹	۵	بر خاک	اگر بر خاک
۱۲۰	۶	رقصد	رقصید

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر عشرت حسن اَنور - ۳۴ حالی روڈ

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ